

نقدِ استشراق کے لیے قدیم مسلم فکر سے استفادہ (ابن حزم کی آراء کا خصوصی مطالعہ)

ڈاکٹر مفتی محمد ہارون[☆]

صہیب جمیل^{☆☆}

Abstract

The enemies of Islam ,since earliest times ,have been striving hard to create doubts about the "Divine status " of the Holy book of Muslims ,i.e. Quran resulting an endless storm of objections which were roused by different individuals and organizations. One objection, among numberless, was that there are great many contradictions among verses, leading to doubts. In these objections such verses were presented which were complicated and complex in nature and required a deep insight upon the language and the scholarly nature of the subject. In 5th century A.H, a Jewish rabbi, a scholar in his article ,presented handful of (what he believed)contradictions which were aptly answered by a great contemporary Muslim scholar *Allama Ibne Hazam Alundlasi* in his book entitled *Al Radd ala Ibn-e- Naghrela Alyahudi*. *Allama Ibne Hazam Alundlasi* in his article adopted a unique concise and very comprehensive method, which even today, is highly needed to be adopted to counter the onslaught of the foe. In his answer to those objections raised by Jewish scholar, *Allama Ibne Hazam Alundlasi* gave great many references from the text of Old Testament which bespeak of his great and deep insight into this ancient religion and the original sources.

Keywords: *Allama Ibne Hazam Alundlasi, Al Radd ala Ibn-e- Naghrela Alyahudi, Old and New Testament, contradictions.*

قرآن مجید مرکزِ رشد و ہدایت ہے، نکات و عجائبات کا سرچشمہ اور علوم و اسرار کا بحر بیکراں ہے، جس کی پہنائیوں اور گہرائیوں کا اندازہ انسانی خرد نہیں کر سکتی۔ اس معجز کلام کا لفظ لفظ اور حرف حرف معجز ہے جو اپنے اندر بے پناہ علوم و معارف لیے ہوئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسے سابقہ تمام الہامی کتب پر فضیلت و فوقیت حاصل ہے۔ اس تفوق و برتری کی بہت ساری وجوہات ہیں جن میں سے سب سے اہم اس کا چیلنج ہے کہ اس جیسی ایک آیت بھی بنا کر دکھاؤ۔ قرآن مجید کا دعویٰ ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے،

* لیکچرر شعبہ اسلامی و عربی علوم یونیورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا

☆☆ پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاول پور

اگر یہ کسی مخلوق کا کلام ہوتا تو اس میں جا بجا اختلاف اور تناقض ہوتا۔ اس کلام کا اختلاف و تناقض سے پاک ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ اگرچہ تحریکِ استشرق کا عملی طور پر آغاز ایک قول کے مطابق صلیبی جنگوں کے بعد ہوا مگر اس کی فکری بنیادوں کا کھوج لگایا جائے تو اس کا سیر انبی کریم ﷺ کے زمانے سے جا ملتا ہے۔ آپ ﷺ کے زمانے کے کفار و مشرکین کا بھی یہی دعویٰ تھا کہ یہ کلام، اللہ کا نہیں ہے بلکہ نبی ﷺ تو کسی انسان سے سیکھ کر اسے پیش کر دیتے ہیں¹، اسی وجہ سے قرآن مجید نے چیلنج کر دیا کہ اگر یہ مخلوق کا کلام ہے جیسا کہ تمہارا زعم ہے تو پھر اس جیسی کوئی ایک آیت بنا کر دکھا دو²۔ اور آج تک کوئی بھی اس چیلنج کو قبول نہ کر سکا۔ بالکل اسی طرح مستشرقین کا بھی قرآن مجید کے بارے میں یہی موقف ہے۔ ان کی طرف سے قرآن مجید پر مختلف قسم کے اعتراضات کیے گئے ہیں، ان میں ایک شبہ یہ بھی ہے کہ اس کی آیات میں باہمی تعارض و تناقض ہے۔ اسی قسم کے شبہات پانچویں صدی کے ایک یہودی عالم ابن النغریلہ³ نے بھی کیے تھے جن کا مفصل اور مسکت

¹ ملاحظہ ہو : وَ لَقَدْ نَعَلْنَا أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ لِّسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجِبِي وَ هَذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ۔ سورة النحل: 103۔

² وَ إِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ وَ اذْعُوا شُهَدَاءَ كُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ۔ سورة البقرة: 23۔

³ ابن نغریلہ ایک یہودی عالم تھا اس کے اصل نام اور کنیت کے بارے میں مصادر میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے کہیں ابن النغرالی، کہیں النغرال، بعض کتب میں ابن النغرالیہ بعض میں ابن النغرالی وغیرہ منقول ہے۔ اس کے اصل نام کے بارے میں بھی مختلف الفاظ ملتے ہیں مثلاً صموئیل بن یوسف، اسماعیل یا اشموال یا یوسف بن نغریلہ۔ زیادہ رائج اسماعیل بن نغریلہ یا یوسف بن نغریلہ ہیں۔ اس کی سن وفات کے بارے میں کتب خاموش نظر آتی ہیں۔ کمال درجے کا ذہین انسان تھا، قرطبہ میں تالمود کا درس دیا کرتا تھا عربی زبان و ادب پر گہری نظر اور اس میں مہارت رکھتا تھا، علم و حکمت اور فہم و ذکاوت میں اس کا کوئی ہمسر نہیں تھا، احوال زمانہ پر نظر بھی کمال درجے کی تھی، عبرانی اور عربی زبان پر دسترس سب پر عیاں تھی، علم ریاضی، نجوم، ہندسہ، علم منطق اور جدل و مناظرہ جیسے فنون پر کامل مہارت تھی، یہاں تک کہ علم ریاضی میں اس کی ایک کتاب ”السجیح فی علوم الاوائل الرياضیة“ کے نام سے ملتی ہے۔ یہودی شریعت پر بھی گہری نظر تھی، اس کے عالمانہ تبحر کی وجہ سے اندلس کے یہودیوں نے اس کا لقب ”الناعید“ رکھ دیا تھا۔ عہد قدیم کے اسفار میں اس لفظ کے بہت سارے معانی آتے ہیں: کسی معبد کا متولی اور نگران، قبیلے کا سردار، لشکر کا سالار وغیرہ۔ لیکن افسوس صد افسوس کہ اتنا ذہین ہونے کے باوصف اس کا مشغلہ دیگر ادیان کے مذاق اڑانے کے ساتھ ساتھ دین اسلام کے بارے میں بھی مختلف شبہات پھیلا نا رہا، حتیٰ کہ اس کی شرارتوں سے دیگر یہودی بھی تنگ آ گئے۔ اس کے بارے میں یہ بھی معروف ہے کہ اس نے قرآن کریم کا چیلنج قبول کیا اور منظم شکل میں کچھ آیات گھڑنے کی کوشش کی۔ اس نے قرآن کریم کی آیات پر آپس میں متعارض ہونے کا شبہ بھی پیش کیا تو اس وقت کے ایک بہت بڑے فقیہ، محدث اور یکتائے روزگار عالم علامہ ابن حزم نے اس کے شبہات کے رد میں ایک مدلل اور جامع رسالہ لکھا جس کا نام ”الرد علی ابن النغریلہ الیہودی“ رکھا، جس میں اس کی طرف سے کیے گئے شبہات کا نہ صرف مسکت جواب دیا بلکہ تورات سے اس بات کے

جواب اس وقت کے بہت بڑے عالم علامہ ابن حزم (م 456ھ) نے لکھا تھا، انہوں نے اس حوالے سے ایک رسالہ تالیف فرمایا تھا جس کا نام تھا: الرد علی ابن النغريلة اليهودی۔ ذیل کی سطور میں ” الرد علی ابن النغريلة اليهودی “ میں علامہ ابن حزم کے منہج کا اختصاصی مطالعہ پیش کیا جائے گا۔ چونکہ ابن نغریلہ کے اکثر شبہات کا تعلق تناقض سے ہے اس لیے تناقض کا مفہوم جان لینا مناسب معلوم ہوتا ہے:

تناقض کا لغوی مفہوم

تناقض باب تفاعل کا مصدر ہے لغت میں جس کے بہت سارے معانی آتے ہیں، کسی عمارت کو توڑ دینا، وعدہ توڑنا، مطلقاً کسی چیز کو توڑنا، کسی رسی کو کھولنا یا کسی عقد کو توڑ دینا وغیرہ۔ پھر تناقض چونکہ باب تفاعل کا مصدر ہے اور تفاعل کی ایک خاصیت مشارکت بھی ہے، اس لیے اس کا معنی ایک دوسرے کی مخالفت کرنا، دو چیزوں میں سے ایک کا دوسرے کو باطل قرار دینا۔ چنانچہ ابن منظور افریقی (م 711ھ) لکھتے ہیں: النقض: افساد ما برمت من عقد او بناء وفي الصحاح: النقض نقض البناء والحبل والعهد وغيره۔۔۔ وتناقض وفي الحديث صوم التطوع: فناقضني وناقضته اي ينقض قولی وانقض قوله⁴ ” کسی عمارت یا عقد کو توڑ دینا نقض کہلاتا ہے، لغت کی کتاب ” الصحاح “ میں بھی نقض کے یہی معنی بیان کیے گئے ہیں۔ جب کہ تناقض کا معنی ایک دوسرے کو توڑنے کے آتے ہیں جیسے نفلی روزے والی حدیث میں تناقض کا معنی اس طرح بیان کیا گیا ہے: اس نے مجھے توڑ دیا اور میں نے اسے توڑ دیا یعنی اس نے میری بات کو رد کر دیا اور میں نے اس کی بات کو رد کر دیا۔“ علامہ سعید الخوری لکھتے ہیں: تناقض: البناء والحبل۔۔۔ والقولان: تخالفا وتداخعا وهو مجاز من تناقض الحبل لان احدهما ينقض الآخر⁵ ” تناقض کا معنی کسی رسی یا عمارت کو توڑ دینا، دو اقوال کا آپس میں ایک دوسرے کے مخالف ہونا بھی تناقض کہلاتا ہے۔“ مزید برآں لغت کی تمام اہمات الکتب کتاب العين مرتباً علی حروف الجیم⁶، معجم

شواہد بھی پیش کیے کہ اصل میں تعارض تو تورت میں پایا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو: علامہ ابن حزم، الرد علی ابن النغريلة اليهودی (قاہرہ: مکتبہ دار العربیہ، 1960ء، تحقیق: دکتور احسان عباس) ص 11، 12۔

⁴ ابو الفضل جمال الدین محمد بن کرم ابن منظور افریقی، لسان العرب (بیروت: دار صادر سن) ج 7 ص 242۔

⁵ سعید الخوری، اقرب الموارد فی فصیح العربیۃ والشوارد (ایران: دارالاسوۃ للطباعة والنشر، 1427ھ) ص 172، 171۔

⁶ علامہ خلیل بن احمد الفراهیدی لکھتے ہیں: النقض: افساد ما برمت من حبل او بناء ” کسی رسی یا عمارت کو مضبوط بنانے کے بعد توڑ دینا نقض کہلاتا ہے۔“ خلیل بن احمد بن احمد الفراهیدی، کتاب العين مرتباً علی حروف الجیم (بیروت: دارالکتب العلمیہ، 1424ھ، تحقیق: د۔ عبد الحمید ہنداوی) ج 4 ص 257۔

مقایس اللغة⁷ اساس البلاغة⁸ المعجم الوسيط⁹ تاج العروس¹⁰ وغیرہ میں نقض اور تناقض کے یہی معنی بیان کیے گئے ہیں۔

تناقض کا اصطلاحی مفہوم

تناقض ایک ایسی اصطلاح ہے جس کا استعمال تقریباً تمام علوم و فنون میں کیا جاتا ہے اس لیے اس کا اصطلاحی مفہوم سوائے الفاظ کے تغیر و تبدل کے تقریباً تمام علوم میں یکساں ہے:

ملا عبد اللہ زیدی (م 981ھ) کے نزدیک تناقض کی تعریف

التناقض اختلاف القضیتین بحیث یلزم لذاتہ من صدق کل کذب الاخری او بالعکس¹¹ ”دو قضیوں کا ایجاب اور سلب کے اعتبار سے اس طرح مختلف ہونا کہ یہ اختلاف خود اس بات کا تقاضا کرے کہ ان میں اگر ایک سچا ہو تو دوسرا جھوٹا ہو گیا اس کے برعکس۔“

امام ابو بکر جصاص (م 370ھ) کے نزدیک تناقض کی تعریف

امام ابو بکر الجصاص (م 370ھ) تناقض کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں: اختلاف تناقض بان يدعو احد الشینین الی فساد الآخر¹² ”دو چیزوں میں سے ایک چیز دوسری کے فساد کا تقاضا کرے تناقض کہلاتا ہے“

علامہ زرکشی (م 794ھ) کے نزدیک تناقض کی تعریف

تناقض کی تعریف کے سلسلے میں سب سے گراں قدر، عمدہ اور جامع تعریف علامہ زرکشی (م 794ھ) کی ہے، لکھتے ہیں: بحیث یشتکرک المثبت والمنفی فی الاسم والحدث والزمان والافعال والحقیقة، فلوکان الاسم حقیقة فی احد الکلامین وفي الآخر مستعار او نفی احدهما واثبت الآخر لم یعد تناقضاً¹³ کسی اسم، حدوث، زمان، افعال اور

⁷ ابو الحسنین احمد بن فارس بن زکریا، معجم مقاییس اللغة (بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1422ھ) ص 1007۔

⁸ جلال اللہ بن محمود بن عمر زحشری، اساس البلاغة (بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1422ھ) ص 775۔

⁹ احمد حسن الزیات، محمد علی النجار، المعجم الوسيط (استنبول: المکتبۃ الاسلامیہ ترکی، سن) ص 947۔

¹⁰ محب الدین ابو فیض السید محمد مرتضی الزبیدی، تاج العروس من جواهر القاموس (بیروت: دار الفکر، 1414ھ، تحقیق: علی شیری) ج 10 ص 169، 168۔

¹¹ ملا عبد اللہ زیدی، شرح تہذیب (لاہور: مکتبہ رحمانیہ، سن) ص 227۔

¹² ابو بکر احمد بن علی الجصاص، احکام القرآن (لاہور: سہیل اکیڈمی، سن) ج 2 ص 215، 214۔

¹³ علامہ بدر الدین محمد بن عبد اللہ زرکشی، البرہان فی علوم القرآن (القاهرة: مکتبۃ دار التراث، سن) ج 2 ص 53۔

حقیقت میں منفی و مثبت مشترک ہو جائیں تو تناقض کہلاتا ہے لیکن اگر دو کلاموں میں سے ایک کلام میں ایک اسم حقیقی معنوں میں استعمال ہو اور دوسری کلام میں اسی اسم کا مجازی معنی مستعمل ہو تو ایسی دو کلاموں کے مابین تناقض نہیں سمجھا جائے گا۔

تضاد اور اختلاف کا مفہوم

تناقض کا معنی جان لینے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تضاد، اختلاف اور تنوع میں فرق جان لیا جائے:

تضاد کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

تضاد باب تفاعل کا مصدر ہے جس کا معنی ایک دوسرے کی ضد ہونے کے آتے ہیں، یہ علم بدیع کی اصطلاح ہے چنانچہ علم بدیع کی اصطلاح میں تضاد کی تعریف یہ کی جاتی ہے: کلام میں ایسے الفاظ استعمال کرنا جن کے معنی ایک دوسرے کی ضد اور مقابل ہوں۔¹⁴

اختلاف کا لغوی و اصطلاحی مفہوم

لفظ اختلاف باب افتعال کا مصدر ہے جو کہ اتفاق کی ضد ہے، اس کا معنی ہے کسی چیز کا کسی کے مخالف ہونا، جیسا کہ عرب میں کہا جاتا ہے ”تخالف القوم واختلفوا“ یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی کسی کے خلاف ہو جائے۔¹⁵ ابن منظور افریقی (م 711ھ) ”لسان العرب“ میں اس کا معنی یوں بیان کرتے ہیں:

ویقال: تخالف الامران واختلفا، اذا لم يتفقا وكل ما لم يتساوا: فقد تخالف واختلف.¹⁶

”جب دو معاملے یا دو چیزیں آپس میں ایک دوسرے کے خلاف ہو جائیں اور ایک دوسرے کے مساوی نہ رہیں تو اس وقت کہا جاتا ہے ”تخالف واختلف“ یعنی وہ ایک دوسرے کے خلاف ہو گئے۔“

¹⁴ ابوالعجاز حفیظ صدیقی، کشف تنقیدی اصطلاحات (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، سن 1985ء) ص 39۔

¹⁵ ابوطاہر محمد الدین محمد بن یعقوب بن محمد فیروز آبادی، القاموس المحیط (بیروت: دار احیاء التراث العربی، ط 1، 1412ھ)، 3/143۔ احمد بن محمد الفیومی، المصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر للرافعی (مصر: المطبعة الامیریہ، ط 1، 1412ھ)، /:179۔

¹⁶ ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور الافریقی، لسان العرب (بیروت: دار احیاء التراث العربی، ط 1، 1416ھ)، تحقیق: امین محمد عبدالوہاب، محمد الصادق العبیدی، 9/91۔

امام راغب اصفہانی (م 503ھ) نے اختلاف کے معنی اس طرح بیان کیے ہیں: اختلاف کے معنی کسی حالت یا قول میں ایک دوسرے کے خلاف طریق کار اختیار کرنے کے ہیں پھر لوگوں کا باہم کسی بات میں اختلاف کرنا عموماً نزاع کا سبب بنتا ہے اس لیے اختلاف کا لفظ استعارة نزاع اور جدل کے معنی میں استعمال ہونے لگا۔¹⁷

اب تک کی گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ لغت میں تناقض کے معنی کسی چیز کے توڑ دینے، عقد کو توڑنے، کسی رسی کو توڑنے وغیرہ کے آتے ہیں، اور اصطلاحی معنی دو کلاموں میں سے ایک کلام جس چیز کا تقاضا کرے تو دوسری کلام اس کے برعکس کا مطالبہ کرے۔ مقالہ نگار کی نظر میں تناقض کی توضیح کے سلسلے میں علماء نے جس قدر تعریفیں کی ہیں ان تمام میں سے سب سے جامع ترین تعریف علامہ زرکشی (م 794ھ) کی ہے، اس لیے کی تعریف کے ضمن میں تناقض کے متحقق ہونے کی شرائط کو بھی بیان کر دیا گیا ہے، جس سے تناقض کی حقیقت کو سمجھا جاسکتا ہے اور معترضین کو مسکت جواب دیا جاسکتا ہے۔ تناقض سے ملتے جلتے الفاظ میں اختلاف اور تضاد ہیں جن کے معنی بھی ایک دوسرے سے اختلاف کرنا، دو کلاموں کا باہم ایک دوسرے کے خلاف ہونا، متضاد ہونا وغیرہ۔ مزید برآں اہل علم کے ہاں تناقض کے متحقق کے لیے شرائط بھی ہیں جن کے بغیر تناقض کا ثبوت ممکن نہیں۔¹⁸ چنانچہ پورے قرآن مجید پر گہری نظر ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ کسی بھی آیت میں ہمیں تناقض، اختلاف و تفاوت یا تضاد نظر نہیں آتا¹⁹ بظاہر جو اختلاف نظر آتا ہے وہ تنوع²⁰ کے قبیل سے ہے اور کسی کلام میں تنوع اس کی فصاحت و بلاغت، حسن اور خوبی پر دلالت کرتا ہے نہ کہ اس کے اعجاز اور تحدی کے خلاف۔

¹⁷ حسین بن محمد الاصفہانی، المفردات فی غریب القرآن (بیروت: دار المعرفہ، سن، تحقیق: محمد سید گیلانی) ص 38۔

¹⁸ تناقض کے متحقق ہونے کے لیے کل آٹھ شرائط ہیں، جن کو اس شعر میں جمع کر دیا گیا ہے:

در تناقض ہشت وحدت شرط داں وحدت موضوع و محمول و مکان

وحدت شرط و اضافت جزو کل قوت و فعل است در آخر زماں

”تناقض کے ثابت ہونے کی آٹھ شرائط ہیں، دونوں کلاموں کا موضوع ایک ہو، محمول ایک ہو، دونوں مکان میں متحد ہوں، دونوں کا زمانہ ایک ہو، دونوں قوت و فعل میں ایک ہوں، دونوں کلاموں میں شرط بھی ایک ہو اور آخری شرط یہ ہے کہ کل و جز میں دونوں برابر ہوں اگر ان آٹھ شرائط میں سے کوئی ایک شرط بھی نہ پائی گئی تو تناقض ثابت نہ ہوگا۔“

¹⁹ علامہ طبری (310ھ) نے اپنی تفسیر میں ابن وہب سے ایک روایت نقل کی ہے: قال ابن زید: ان القرآن لا یکذب بعضہ بعضا لا ینقض بعضہ بعضا الخ ”ابن زید فرماتے ہیں کہ یقیناً قرآن مجید ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیات نہ تو ایک دوسرے کی تکذیب کرتی ہیں اور نہ ہی ایک دوسرے کے معارض ہیں، البتہ جو چیزیں لوگوں کو سمجھ نہیں آئیں وہ ان کی عقول کی کوتاہی اور جہالت کی وجہ سے ہے۔ ملاحظہ ہو: ابو جعفر محمد بن جریر الطبری، جامع البیان عن تاویل آی القرآن (مصر: مطبعة مصطفی البابی الجلی، 1964ء) ج 5 ص 179۔

قرآن کریم پر ہونے والے شبہات کے رد میں لکھی جانے والی کتب کا مختصر جائزہ

قرآن مجید کے دعویٰ (کہ یہ ہر قسم کے اختلاف اور تناقض سے پاک ہے) کی حفاظت کے لیے علمائے امت نے روز اول سے ہی تصانیف کا سلسلہ جاری رکھا، قرآن کریم پر کیے جانے والے علمی اعتراضات کے مدلل اور مسکت جوابات دیے، ان شبہات کے جواب میں الگ الگ تصانیف بھی منصفہ شہود پر لائی گئیں جب کہ مفسرین نے اپنی اپنی تفاسیر میں ایسے مقامات پر بہت مدلل اور جامع انداز سے ان تمام شبہات کے جوابات دیے جن کی وجہ سے قرآن مجید کی حقانیت، اس کے اعجاز اور اس کے من جانب اللہ ہونے کا شبہ پیش آرہا تھا۔ ان مفسرین میں امام رازی (606ھ) بطور خاص نمایاں نظر آتے ہیں۔ امام رازی اپنی تفسیر میں بہت سارے مقامات پر قرآن کریم پر وارد ہونے والے عقلی شبہات کے اس قدر مدلل جواب دیتے ہیں کہ قاری کے ذہن میں پیدا ہونے والی تمام الجھنیں کافور ہو جاتی ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے کس شخص نے کتاب لکھی؟ علامہ سیوطی (م 911ھ) کے نزدیک امام قطرب (م 202ھ)²¹ پہلی شخصیت ہیں جنہوں نے سب سے پہلے اس موضوع پر کتاب لکھی جس کا نام ”الرد علی الملحدین فی متشابہ القرآن“ تھا۔ لیکن غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ علامہ سیوطی کی بات درست نہیں، اس لیے کہ اس حوالے سے سفیان بن عیینہ (م 198ھ) نے بھی ایک لکھی تھی جس کا نام ”جوابات القرآن“ تھا اور سفیان بن عیینہ کی وفات امام قطرب سے پہلے ہے۔ بلکہ تتبع اور تلاش سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ سفیان بن عیینہ سے پہلے مقاتل بن سلیمان (م 150ھ) نے اس موضوع پر کتاب لکھی تھی جس کا نام ”الجوابات فی القرآن“ تھا²²۔ لیکن مذکورہ تینوں کتابیں مفقود ہیں البتہ ہم تک پہنچنے والی کتب میں سے پہلی کتاب جو خاص طور پر اسی موضوع پر لکھی گئی جس کا مقصد ہی قرآن کریم پر وارد ہونے والے شبہات کا رد کرنا تھا وہ ابن قتیبہ الدینوری (م 276ھ) کی ”تاویل مشکل القرآن“ ہے۔ اس

²⁰ تنوع کا معنی ہے کسی چیز کی نوعیت بیان کرنا، بسا اوقات کسی چیز کی مختلف نوعیتیں اور حالات ہوتے ہیں کبھی کسی نوعیت کو بیان کر دیا جاتا ہے موقع محل کی رعایت کرتے ہوئے اور کبھی کسی نوعیت کو بیان کر دیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو: زبیدی، تاج العروس، ج 11 ص 494۔

²¹ امام قطرب کا اصل نام محمد بن مستنیر ابو علی البصری ہے، قطرب کے نام سے مشہور تھے، نحو اور لغت کے بہت جید عالم تھے، علمائے بصرین اور خاص طور پر امام سیبوی سے استفادہ کیا۔ قطرب کا لقب ان کے استاذ امام سیبوی نے عطا فرمایا تھا کیونکہ یہ صبح تہجد کے لیے سب سے پہلے بیدار ہوتے تھے ایک رات جب استاذ محترم نے ان کو صبح کے وقت دیکھا تو فرمایا: ما انت الا قطرب لیل ”تم تو رات کے کیڑے ہو“۔ قطرب ایسے کیڑے کو کہتے ہیں جو ریگلتا رہتا ہے اور کمزور نہیں ہوتا۔ 202ھ میں وفات پائی۔ ملاحظہ ہو: ابو بکر احمد بن علی المعروف خطیب بغدادی، تاریخ بغداد (بیروت: دارالکتب العلمیہ، 1997ء) ج 3 ص 298۔

²² محمد بن احمد بن عثمان الذہبی، سیر اعلام النبلاء (بیروت: موسسة الرسالہ، 1413ھ) ج 7 ص 202، 201۔

موضوع پر لکھی جانے والی تصانیف کا جائزہ لیا جائے تو بے شمار کتب ملتی ہیں جن میں سے چند ایک کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے:

”تنزیہ القرآن عن المطاعن“ عبد الجبار الحمدانی (م 415ھ) کی تالیف ہے جو دارالانصاف بیروت سے عدنان زرزور کی تحقیق سے شائع ہو چکی ہے۔

”درة التنزیل وغرة التاویل فی بیان الآیات والمتشابهات فی کتاب اللہ العزیز“ علامہ خطیب الاسکانی (م 420ھ) کی تالیف ہے جو دارالافتاح بیروت سے 1979ء میں تقریباً 544 صفحات میں شائع ہوئی۔

”الاکلیل فی المتشابهة والتاویل“ علامہ ابن تیمیہ (م 728ھ) کی تالیف ہے جو قاہرہ سے 1394ھ میں شائع ہوئی۔

”فتح الرحمان بکشف ما یلتبس فی القرآن“ شیخ الاسلام ابو یحییٰ بن زکریا الانصاری کی تصنیف ہے، جو محمد الصابونی کی تحقیق سے مطابع دارالقرآن بیروت سے 1403ھ میں شائع ہوئی۔

”وضع البرهان فی مشکلات القرآن“ بیان الحق نیشاپوری کی تصنیف ہے جو صفوان داؤدی کی تحقیق سے دارالقلم دمشق سے 1990ء میں شائع ہوئی ہے۔

”دفع ایہام الاضطراب عن آیات الكتاب“ محمد امین شنفیطی کی تالیف ہے جو دارالعالمیہ للکتاب والنشر سے شائع ہو چکی ہے۔

”الروض الریان فی اسئلة القرآن“ شرف الدین بن ریان کی تالیف ہے یہ کتاب پہلی مرتبہ مکتبہ دارالعلوم والحکم مدینہ منورہ سے 1994ء میں شائع ہو چکی ہے۔ مزید برآں مذکورہ موضوع پر لکھی جانے والی تصانیف کو علمائے کرام نے تین اقسام میں منقسم کیا ہے۔²³

²³ پہلی قسم: وہ تصانیف جن میں قرآن مجید کے الفاظ کے مادہ، اعراب اور نحوی و لغوی پہلوؤں پر شبہات کے جواب دیے گئے ہیں۔ جن میں امام ثعلب (م 139ھ) کی اعراب مشکل القرآن ہے جو عزیز اللہ العطار دی کی تحقیق سے دارالکتب العلمیہ بیروت سے 1987ء میں شائع ہوئی ہے۔ اسی طرح کئی بن ابی طالب القیس (م 578ھ) کی مشکل اعراب القرآن ہے جو یاسین السواس کی تحقیق سے دارالمأمون للتراث دمشق سے دو جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔

دوسری قسم: دوسری قسم کی تصانیف وہ ہیں جن میں صرف معترضین کے شبہات کو ذکر کر کے ان کا جواب دے دیا گیا ہے، جیسے امام ابن قتیبہ الدینوری (م 276ھ) کی تاویل مشکل القرآن ہے جس میں امام نے صرف شبہات کا تذکرہ کر کے ان کے مفصل جواب دیے ہیں۔

تیسری قسم: وہ تصانیف جن کا مقصد کسی خاص شخص کی طرف سے کیے جانے والے شبہات کا جواب دینا تھا، یا کسی خاص اور معین کتاب کا جواب دینا تھا جس میں قرآن کریم پر شبہات کیے تھے۔ ان کتب میں علامہ ابن حزم (م 456ھ) کی کتاب الرد علی ابن الغریلة الیہودی بھی ہے جو انہوں

علامہ ابن حزم (م 456ھ)

پانچویں صدی ہجری کے معروف ترین علماء میں علامہ ابن حزم الاندلسی (م 456ھ) کا نام نمایاں نظر آتا ہے، علامہ کی شخصیت متنوع کمالات کی جامع تھی، بہت بڑے فقیہ اور محدث تھے، علم حدیث²⁴، فقہ²⁵، مناظرہ، کلام و منطق، اتفاق و اختلاف اور ملل و نحل میں یکتائے زمانہ تھے۔ منقول میں کلام اللہ اور حدیث سے دلیل پیش کرتے تھے اور معقول میں جو ثبوت مناسب سمجھتے اپنی تحقیقات کو فن معقول میں صاف صاف بیان کرتے تھے چاہے وہ کسی کی رائے کے موافق ہو یا مخالف۔ مزید برآں علامہ ابن حزم (م 456ھ) نفسیات کے بھی عالم تھے، آپ نے بڑے غور و فکر سے نفس انسانی کی گہرائی میں اتر کر بنظر غائر اس کا مطالعہ کیا۔ ابن حزم کا علمی ورثہ صرف ایک ہی نوع کا نہیں تھا بلکہ اس کے آفاق و اطراف متعدد اور مختلف میلانات و رجحانات تھے۔ قدیم مذاہب اور ان کے انبیاء سے بخوبی واقف تھے وہ جانتے تھے کہ انبیاء علیہم السلام کی موجودگی میں ان مذاہب کی کیا حالت تھی اور ان کے بعد ان پر کیا گزری، آپ ان مصادر و مآخذ سے بھی باخبر تھے جن سے قدیم مذاہب کے لوگ اپنے اغراض و مقاصد کو پورا کرتے، آپ اسلامی فرقوں کے نقطہ آغاز اور ان کے ظہور و شیوع سے پوری پوری واقفیت رکھتے تھے اور جانتے تھے کہ ان کی تردید کیونکر کی جاسکتی ہے۔ آپ نے اپنی مشہور کتاب ”الفصل فی الملل والاہواء والنحل“ میں یہ تمام تفصیلات درج کر دی ہیں، اس کتاب پر تبصرہ کرنے اور آپ کے آراء و افکار اور طرز منہاج کو واضح کرنے کے لیے ایک ضخیم دفتر درکار ہے۔ قدیم مذاہب اور اسلامی فرقوں سے واقفیت، ان کے مصادر و مآخذ پر گہری نظر اور دسترس کا نتیجہ تھا کہ آپ کے زمانے میں جہاں کہیں سے دین اسلام پر اور بالخصوص قرآن کریم پر شبہات وارد کیے گئے دیگر علماء کے ساتھ ساتھ علامہ ابن حزم بھی اس میدان میں اترے اور عقلی و نقلی جوابات سے مخالف کے مدعی کو لاجواب کر دیا۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی ابن النغریلہ یہودی بھی تھا جس نے قرآنی آیات پر مختلف قسم کے شبہات کر کے قرآن کریم کی حقانیت کو چیلنج کرنے کی کوشش کی، اور یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ معاذ اللہ قرآنی آیات میں جابجا اختلاف و تعارض ہے۔ علامہ ابن حزم نے اس کے رد میں

نے ابن نغریلہ یہودی کے شبہات کے جواب میں لکھی۔ ذیل کی سطور میں علامہ ابن حزم (م 456ھ) کی ان آراء کا جائزہ پیش کیا جائے گا جو انہوں نے ابن نغریلہ یہودی کے شبہات کے رد میں پیش کی ہیں۔

²⁴ علامہ ابن حزم کو حدیث سے جو ربط و ضبط اور شغف تھا آپ کی تصانیف اس کی زندہ گواہ ہیں، ابو زہرہ لکھتے ہیں: هو المحدث العظیم الذی یجمع اشئات الحدیث یعنی اس قدر بڑے محدث تھے کہ حدیث کی تمام اقسام پر گہری نظر تھی۔ ملاحظہ ہو: حیات امام ابن حزم، ابو زہرہ، ترجمہ غلام احمد حریری (کراچی: شیخ غلام علی اینڈ سنز پرائیویٹ لمیٹڈ پبلشرز) ص 27۔

²⁵ ان کی فقہ کی مہارت کا عالم یہ تھا کہ ائمہ اربعہ کی فقہ سے اختلاف کر کے فقہ ظاہری کی بنیادی ڈالی، کتاب و سنت فقہ ظاہری کا اوڑھنا بچھونا ہے جسے کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

ایک رسالہ تالیف فرمایا جس کا نام ”الرد علی ابن النغريلة اليهودی“ رکھا، جس میں اس یہودی کی طرف سے قرآن کریم پر کیے گئے مختلف شبہات کا جہاں رد پیش کیا تو وہیں ان کی تورات سے بھی بہت ساری مثالیں پیش کیں جس سے دلیل میں مزید چنگٹی پیدا ہوگئی اور مخالف لاجواب ہو گیا۔ ذیل کی سطور میں علامہ ابن حزم کے طرز و منہاج کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے:

”الرد علی ابن النغريلة اليهودی“ میں علامہ ابن حزم کا طرز و منہاج

علامہ ابن حزم (م 456ھ) اپنے رسالے میں سب سے پہلے معترض کے اعتراض کو ذکر کرتے ہیں اور اس سلسلے میں ”وکان مما اعترض به“ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ پھر جواب دیتے وقت ”قال ابو محمد“ کہہ کر آغاز کرتے ہیں۔ اپنے جوابات میں زیادہ تر دیگر قرآنی آیات سے استفادہ کرتے ہیں اور ضرورت پڑے تو کسی جگہ حدیث کو بھی بطور استدلال ذکر کر دیتے ہیں اس ضمن میں کسی مفسر کے قول یا لغت وغیرہ سے استدلال نہیں کرتے۔ اپنے جواب کے بعد تورات سے بھی دلائل دیتے ہیں جو دیگر ادیان کے مصادر و ماخذ پر ان کی دسترس اور عالمانہ تبحر کی واضح دلیل ہے۔ مقالہ نگار کی نظر میں علامہ ابن حزم (م 456ھ) کا یہ طرز موجودہ دور کے محققین کے لیے ایک بہترین اسوہ اور نمونہ ہے کہ آج کے اس دور میں اعدائے اسلام، کفار و ملحدین اور مستشرقین کے شبہات کے رد میں اسی طرح کے منہج کی ضرورت ہے کہ جہاں ان کے اعتراضات کے عقلی و نقلی جوابات دیے جائیں تو وہیں ان کے اپنے مذہب کی معتبر کتب سے استفادہ کرتے ہوئے انہیں مسکت جواب دیا جائے۔ البتہ سوال کے تذکرے اور جواب دیتے وقت بہت سخت الفاظ استعمال کیے گئے ہیں: مثلاً جاہل، خسیس، مجنون، وقاح²⁶، الزندق الجاہل، المائق الجاہل وغیرہ۔ ذیل میں علامہ ابن حزم (م 456ھ) کے منہج کی چند مثالیں ذکر کی جاتی ہیں:

اعتراض

ابن نغریلہ یہودی کے اشکال کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ثم ذكر الخسيس الجاهل قول الله تعالى هذا يوم لا ينطقون ولا يؤذن لهم

فيعتذرون ثم قال في آية أخرى: يوم تاتي كل نفس تجادل عن نفسها، قال:

وهذا تناقض عظيم²⁷

”پھر وہ جاہل اور گھٹیا آدمی اللہ تعالیٰ کے قول کے بارے میں کہتا ہے کہ ایک جگہ ارشاد

ہے: یہ ایسا دن ہو گا کہ وہ بول نہیں سکیں گے اور نہ ہی انہیں معذرت کرنے کی اجازت دی

²⁶ وقاح: گستاخ

²⁷ علامہ ابن حزم الاندلسی، الرد علی ابن النغريلة اليهودی (القاهرة: مکتبۃ دار العربیۃ، سن) ص 54۔

جائے گی“ جب کہ دوسرے مقام پر ارشاد ہے: جس دن کوئی نفس کسی سے جھگڑا نہیں کر سکے گا“ یہ تو تناقضِ عظیم ہے؟

ابن نغریلہ یہودی کے اعتراض کا حاصل یہ ہے کہ قرآن مجید کی دو آیات میں تناقض اور تعارض پایا جا رہا ہے، ایک آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ قیامت کے دن کسی شخص کو کسی قسم کی معذرت کرنے کو موقعہ نہیں ملے گا اور نہ ہی اس کی معذرت قبول کی جائے گی جب کہ دوسرے مقام پر اسی قیامت کے دن کے بارے میں فرمایا جا رہا ہے کہ اس دن ہر نفس اپنے بارے میں جھگڑا کرے گا۔ اور ظاہر بات ہے کہ جھگڑے اور معذرت کا اظہار بول کر ہی ہو سکتا ہے جب کہ آیت میں بولنے اور معذرت کی نفی کی گئی ہے۔ اس سے یہ بات ثابت کرنا چاہتا ہے مذکورہ آیات میں تناقض اور تعارض ہے اور آیات میں تناقض اس بات کی دلیل ہے کہ معاذ اللہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کی کتاب نہیں ہے۔

جواب

علامہ ابن حزم نے اس اعتراض کے بہت جامع اور مدلل جوابات دیے ہیں، آیات کے سیاق سے ان کا صحیح معنی متعین کرنے کی کوشش کی ہے اور اپنے موقف کی تائید میں حدیث پاک کو بطور شاهد کے پیش کیا ہے مزید برآں تورات کی آیات میں باہم تعارض و تناقض ثابت کر کے ناقد کو لاجواب کر دیا ہے۔ چنانچہ اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: قال ابو محمد: قد قال بعض العلماء المتقدمين: ان المنع من النطق المذكور في الآية انما هو في بعض مواقف يوم القيامة، وان الجدل المذكور في الآية الاخرى هي موقف آخر مما يتلو ذلك اليوم نفسه²⁸ ”ابو محمد فرماتے ہیں: بعض علمائے متقدمین فرماتے ہیں کہ دراصل قیامت کے دن مختلف مواقع اور گھڑیاں ہوں گی، بعض مواقع ایسے ہوں گے کہ جہاں بولنے سے روک دیا جائے گا اور بعض مواقع میں جدال اور جھگڑا کرنے کی اجازت ہوگی۔ تناقض تو تب ہوتا جب ایک ہی وقت اور موقع کے بارے میں مذکورہ آیات ہوتیں، جب ہر آیت الگ الگ موقع محل کے حوالے سے ہے تو تناقض ہی نہ ہوا کیونکہ تناقض کے متحقق ہونے کے لیے وقت اور زمانے کا ایک ہونا بھی ضروری ہوتا ہے جیسا کہ ماقبل کی گفتگو میں گزر چکا ہے۔

آیات کے سیاق سے صحیح معنی کا تعین

علامہ ابن حزم نے آیات کے سیاق سے اپنے موقف کی تائید پیش کی ہے جس سے مکمل طور پر شبہ زائل ہو گیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: وهذا قول صحيح بينه قول الله تعالى قبل الآية المذكورة، اذ يقول عزوجل اِنطَلِقُوا اِلَى مَا كُنْتُمْ بِه تَكْدِبُونَ اِنطَلِقُوا اِلَى ظِلِّ ذِي ثَلْثِ شُعَبٍ لَّا ظَلِيلٍ وَلَا يُعْغِي مِنَ اللَّهَبِ اِنَّهَا تَرْمِي بِشَرِّ كَالْقَصْرِ كَانَتْ جَمَلَتْ

²⁸ ابن حزم۔ الرد علی ابن النغریلہ، ص ۵۵۔

صُفْرٌ وَيَلُّ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ بَدَا يَوْمٌ لَا يَنْطِقُونَ وَلَا يُؤَدُّنَ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُونَ وَيَلُّ يَوْمَئِذٍ لِلْمُكَذِّبِينَ²⁹ فیہ بعدر۔
-ہكذا نص الآيات متتابعات، لافصل بينهما فيصح ان اليوم الذي لا ينطقون فيه بعدر انما هو يوم
ادخالهم النار، وهو اول اليوم التالي ليوم القيامة الذي هو يوم الحساب وهو ايضا يوم جدال كل نفس
عن نفسها، وهذا بيان لاشكال فيه اصلا³⁰ آيات مذکورہ میں کوئی تعارض نہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ ان آیات کا
سياق اس بات کی وضاحت کر رہا ہے کہ دو مختلف مواقع کی بات ہو رہی ہے نہ کہ ایک ہی وقت اور جگہ کی۔ چنانچہ سورت
المرسلات کی آیات کا ماقبل یہ ہے

یہاں نطق سے ممانعت ایک عذر کی وجہ سے ہے کیونکہ جب حساب و کتاب کے بعد انہیں جہنم میں داخل کیا جا رہا ہو گا تو ان کا
کوئی عذر نہیں سنا جائے گا اور باقی رہا مسئلہ آپس کے جدال اور جھگڑے کا تو یہ اس وقت کی بات ہے جب حساب و کتاب ہو رہا
ہو گا۔ معلوم ہوا کہ متذکرہ آیات میں کسی قسم کا کوئی تعارض و تناقض نہیں ہے۔“

عذر کی تشریح

قیامت کے دن بولنے سے کیوں روک دیا جائے گا؟ اس کی اصل وجہ کیا ہوگی؟ علامہ ابن حزم نے اس عذر کی مزید تشریح فرمائی
ہے کہ کس قسم کی معذرت قبول نہ کی جائے گی؟ لکھتے ہیں:

وان النطق المنفى عنهم في الآية الاولى والمعذرة التي لم يؤذن لهم فيها انما
ذلك فيما عصوا فيه خالقهم تعالى، كما قال عز وجل في آية اخرى: اليوم
نختم على افواههم وتكلمنا ايديهم وتشهد ارجلهم بما كانوا
يكسبون³¹، فلا عذر لكافر ولا لعاص اصلا ولا كلام لهم واما الجدال الذي
ذكر الله تعالى حينئذ عن نفسها فانما هو في طلب الناس مظالمهم بعضهم
من بعض³²

”جس بولنے سے ممانعت وارد ہوئی ہے وہ ان معاملات میں ہوگی جن میں انہوں نے اپنے
خالق کی نافرمانی کی ہوگی یعنی حقوق اللہ میں کوتاہی، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ
یاسین میں اسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے: آج کے دن ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں

²⁹ سورة المرسلات: 29، 36۔

³⁰ ابن حزم، الرد علی ابن التبریة، ص 55۔

³¹ یس: 35

³² ابن حزم، الرد علی ابن التبریة، ص 55۔

گے اور ان کے ہاتھ ہم سے بات کریں گے اور ان کے پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے، یہ سب اس لیے کیا جائے گا جو وہ دنیا میں برائیاں کیا کرتے تھے۔ لہذا کسی کافر اور گناہگار کا اللہ کی نافرمانی کے حوالے سے کوئی عذر نہیں سنا جائے گا اور نہ انہیں کسی قسم کے کلام کی اجازت دی جائے گی۔ لیکن جہاں جدال اور جھگڑے کا تذکرہ ہے وہ جھگڑالوگوں کے آپس میں ایک دوسرے کے مظالم اور حقوق میں کوتاہی کی بناء پر ہو گا۔“

حدیث سے استشہاد

اپنے موقف کی تائید میں علامہ نے حدیث کو بطور دلیل کے پیش کیا ہے جس سے بات اور زیادہ واضح ہو گئی ہے: علی ما صح عن النبی ﷺ من ان یوم القیامۃ یقص الشاة الجماء من الشاة القرناء³³ ”جیسا کہ حدیث پاک میں نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن اس قدر انصاف ملے گا انسان تو دور کی بات، اگر دنیا میں کسی سینگ والی بکری نے بغیر سینگ والی بکری کو سینگ مارا ہو گا اس کا بدلہ بھی دلوا یا جائے گا۔“ علامہ ابن حزم اس حدیث سے یہ بات سمجھانا چاہتے ہیں کہ جس آیت میں جھگڑے کا تذکرہ ہے اس کا تعلق حقوق العباد میں کوتاہیوں سے متعلق ہے کہ قیامت کے دن لوگ اپنے ضائع شدہ حقوق کے بارے میں ایک دوسرے سے جھگڑیں گے۔ تو انسانوں کے ضائع شدہ حقوق دلوائیں جائیں گے اور اس قدر انصاف کیا جائے گا کہ جانوروں میں سے کسی جانور نے دوسرے جانور پر کوئی زیادتی کی ہوگی تو اس کا بدلہ بھی دلوا یا جائے گا۔

تورات میں تناقض اور تعارض

علامہ ابن حزم اپنے اس رسالے میں تورات سے بہت زیادہ استفادہ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جس کا مقصد جہاں ناقد کو لاجواب کرنا ہے تو وہیں اپنے موقف کو مضبوط کرنا ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے جو ہر قسم کے اختلاف سے پاک ہے جب کہ تورات میں جا بجا تعارض پایا جاتا ہے اور یہی اس میں تحریف اور رد و بدل کی دلیل ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

فی السفر الرابع عن موسی صلی اللہ علیہ انہ قال مخاطبا للہ عزوجل : یارب کما حلفت قاتلا: الرب ودیع ذو حن عظیم یعضو عن الذنب والسئیة ولیس یسنی شیئا من المآثم ، الذی یعاقب بذنب الوالد الولد فی الدرجه الثانية والرابعة ویقران فیہ ایضا فی اول السفر : ان قاین ابن آدم عاقبه اللہ فی السابع من ولده، ثم یقرئون فی السفر الخامس منه: ان اللہ تبارک وتعالی قال لموسی : لاتقتل الآباء لاجل الابناء ولا الابناء لاجل الآباء

³³ ابن حزم، الرد علی ابن النخعیۃ، ص 55۔

الاکل واحد يقتل بذنبه، فلوتفكر هذا الجاهل المائق وعظيم التناقض لشغله عظيم مصابه عن ان يظن بقول الله تعالى الذي هو الحق الواضح

34

”تورات کے چوتھے سفر میں مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: اے میرے رب جیسا کہ آپ نے قسم کھائی تھی اس بات پر کہ تمہارا رب بہت زیادہ شفیق ہے ہر گناہ کو معاف کرنے والا ہے، بندوں کا کوئی گناہ اسے نہیں بھولتا، جو باپ کے گناہ کی وجہ سے اس کے بچے کو بھی سزا دیتا حتیٰ کہ باپ کے گناہ پر اس کی چوتھی نسل میں پیدا ہونے والے بچے کو بھی سزا دیتا ہے۔ اسی سفر میں یہ بھی مذکور ہے کہ قاین بن آدم کو اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہ پر ان کی ساتویں پشت میں پیدا ہونے والے بچے کو سزا دی تھی۔ جب کہ پانچویں سفر میں یہ مذکور ہے: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا: آباء کو ان کے ابناء کے گناہ میں مت قتل کرو اور ابناء کو ان کے آباء کے گناہ میں قتل نہ کرو، بلکہ ہر ایک کو اس کے گناہ کی وجہ سے قتل کرو۔ تورات کی ان مذکورہ آیات میں کس قدر تعارض اور تناقض ہے، کاش کہ یہ عظیم جاہل اپنی تورات کو ہی ایک مرتبہ دیکھ لیتا تو شاید اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب کے بارے میں جو کہ ہر قسم کے اختلاف سے پاک ہے کبھی یہ سوچ نہ رکھتا۔“

خلاصہ کلام یہ کہ علامہ نے مذکورہ آیات پر وارد ہونے والے اشکال کے جواب میں آیات قرآنیہ اور حدیث پاک سے اپنے موقف کو ثابت کیا ہے، مزید برآں تورات کی آیات میں واضح طور پر تناقض اور تعارض ثابت کر کے فریق مخالف کو مسکت جواب دیا ہے۔

اعتراض

ابن نغریلہ نے اسی قسم کا ایک اور اشکال بھی کیا ہے جس سے وہ قرآنی آیات میں تعارض ثابت کرنا چاہتا ہے جسے علامہ ابن حزم نے یوں نقل کیا ہے: ثم ذکر هذا الذندیق الجاهل قول الله تعالى فيومئذ لايسال عن ذنبه انس ولاجان³⁵ ثم

³⁴ ابن حزم، الرد علی ابن النغریلہ، ص 50۔

³⁵ سورة الرحمن: 39

قال في آية اخرى فلنسالن الذين ارسل اليهم والنسلن المرسلين³⁶ قال: هذا تناقض³⁷ ”پھر زندیق جاہل نے ذکر کیا ہے کہ قرآن کریم کی مذکورہ دو آیات میں تناقض ہے، سورۃ الرحمن کی ایک آیت میں فرمایا ہے: قیامت کے دن کسی انسان اور جن سے کسی قسم کا کوئی سوال نہیں کیا جائے گا، جب کہ سورۃ الاعراف کی آیت میں فرمایا: اس دن نہ صرف لوگوں سے سوال کیا جائے گا بلکہ انبیاء اور رسل سے بھی پوچھا جائے گا۔ یہی تو تناقض ہے۔

آیات کے سیاق سے تناقض کا جواب

علامہ ابن حزم نے اس اعتراض کا جواب دینے کے لیے آیات کے سیاق کو بیان کیا ہے جس سے اس کا معنی بالکل واضح ہو جاتا ہے اور تعارض رفع ہو جاتا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں: قال ابو محمد: لوفهم هذا المائق الجاهل ادنى فهم لم يجعل هذا تعارضا اما في قوله تعالى: فيومئذ لايسال عن ذنبه انس ولاجان فان ما بعد هذا الآية متصلا بها قوله تعالى: فباى الآء ربكما تكذبان يعرف المجرمون بسيماهم فيؤخذ بالنواصي والاقدام فباى الآء ربكما تكذبان هذه جهنم التي يكذب بها المجرمون يطوفون بينها وبين حميم آن فباى الآء ربكما تكذبان³⁸ فصح بهذا النص ان هذا انما هو في حين ايرادهم جهنم³⁹ ”ابو محمد کہتے ہیں کہ اگر یہ جاہل شخص ادنیٰ سی سمجھ بھی رکھتا تو اس قسم کے اعتراض نہ کرتا۔ دراصل سورۃ الرحمن میں جس بات کا تذکرہ ہے کہ قیامت کے دن مجرمین سے کسی قسم کا کوئی سوال نہیں ہوگا چاہے وہ انسان ہوں یا جن۔ اس آیت کا تعلق قیامت کی اس گھڑی سے ہے جب لوگوں کو جہنم میں ڈالا جا رہا ہوگا۔ اور ظاہر سی بات ہے کہ اعمال کا فیصلہ ہونے کے بعد جہنم کی طرف لے جاتے وقت کسی سے مزید سوال و جواب نہیں ہوں گے کیونکہ سوال و جواب کی گھڑی تو پہلے گزر چکی ہے۔ جب کہ سورۃ الاعراف کی وہ آیت جس میں انبیاء اور عام لوگوں سے سوال کرنے کا ذکر ہے اس کا تعلق قیامت کی اس گھڑی سے ہے جب حساب و کتاب ہو رہا ہوگا۔ جب دونوں آیات کا مصداق الگ الگ ہے اور وقت الگ الگ ہے تو کسی قسم کا تناقض نہ رہا کیونکہ تناقض واقع ہونے کے لئے وقت اور جگہ کا ایک ہونا ضروری ہے۔“⁴⁰

³⁶سورۃ الاعراف:6

³⁷ابن حزم، الرد علی ابن النخعیۃ، ص56۔

³⁸سورۃ الرحمن:45،40۔

³⁹ابن حزم، الرد علی ابن النخعیۃ، ص57۔

⁴⁰ اس قسم کے شبہات درحقیقت قرآنی آیات کی صحیح تفسیر سے عدم واقفیت کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ زکشی (م794ھ) نے قرآنی آیات میں تناقض کے اسباب ذکر کیے ہیں کہ حقیقت میں قرآن مجید ہر قسم کے تناقض اور تعارض سے پاک ہیں لیکن بظاہر جو تناقض نظر آتا ہے اس کے چند اسباب ہیں۔ 1۔ ایک ہی چیز کو مختلف انداز سے بیان کرنا جیسے انسان کی تخلیق کے مراحل کا تذکرہ

تورات سے الزامی جواب

علامہ ابن حزم نے تورات کے سفر دوم کے ایک واقعہ کو پیش کر کے الزامی جواب دیا ہے جس سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جب تمہاری کتاب میں اس قدر متعارض آیات موجود ہیں، اور وہ تعارض بھی ایسا ہے کہ جس کا کوئی حل نہیں، تو قرآن پا ک پر تمہیں اعتراض کا کوئی جواز نہیں ملتا، جب کہ یہ ہر قسم کے تعارض سے پاک ہے۔ وہ واقعہ یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ اپنی قوم کو واپس اپنے اصلی جگہ لے جائیے، جب آپ اس شہر کے قریب پہنچ جائیں گے تو میں اپنا ایک فرشتہ بھیج دوں گا جو کنعانین کو وہاں سے نکالنے میں مدد دے گا اور تم ایسی زمین میں داخل ہو جاؤ گے جس میں دودھ اور شہد بہتا ہو گا، لیکن میں تمہارے ساتھ نہیں آتوں گا کیونکہ تمہاری امت متکبر ہے، اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ الہی میں کچھ عرض و نیاز کی، اور جب موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی کرتے تو اس طرح کرتے تھے کہ ان کا منہ اللہ تعالیٰ کے منہ کے بالکل قریب ہوتا جیسے کوئی گہرا دوست اپنے دوست سے کوئی راز و نیاز کی گفتگو کرتے وقت انداز اختیار کرتا ہے۔ تو اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فرشتے کے ساتھ تو وہ علاقہ فتح نہ ہو گا میں خود تمہارے ساتھ جاؤں گا۔ اس واقعے کو نقل کرنے کے بعد علامہ ابن حزم لکھتے ہیں: قال ابو محمد: ففی هذا الفصل من السخف غیر قلیل و بیان لایحتمل تاویلا، لان فیہ البداء وانہ تعالیٰ عما یقولون علوا کبیرا، قال انه لایمضی معهم لکن یبعث معهم ملکا یبصرهم بامر اللہ تعالیٰ . فلم یزل موسیٰ حتی رجع عن ما قال عزوجل معهم . فی هذا التحقیق النقلة علی الباری فی الاماکن . ولیست هذه صفة اللہ تعالیٰ وانما هی صفات المخلوقین ، و فیہ التکلیم فما لقم وتحقیق التجسیم والتناقض علی الباری تعالیٰ فی کلامہ و فعلہ دون تاویل و لامخرج لهم من هذا⁴¹ ” ابو محمد فرماتے ہیں کہ اس

2۔ اختلافِ موضوع: یعنی کبھی آیات قرآنیہ کا موضوع جدا ہوتا ہے لیکن قاری کو بظاہر اختلاف نظر آتا ہے جیسا کہ ابن النخعی نے اعتراض کیا حالانکہ ان آیات کا سیاق ہی مختلف ہے۔ 3۔ کسی فعل کی دو جہتوں میں اختلاف: بسا اوقات کسی فعل کی دو جہتیں ہوتی ہیں ایک جہت کی نفی اور دوسری جہت کا اثبات مقصود ہوتا ہے جس سے قاری کو بظاہر تعارض نظر آتا ہے جیسے ومارمیت اذرمیت و لکن اللہ رمی میں۔ 4۔ حقیقت اور مجاز میں اختلاف: ایک آیت میں حقیقی معنی جب کہ دوسری میں مجازی معنی مراد ہوتا ہے جس کی وجہ سے بظاہر تعارض نظر آتا ہے جیسے وتری الناس سکری وما ہم بسکری۔ ملاحظہ ہو: ابو عبد اللہ بدرالدین محمد بن عبد اللہ الزرکشی، البرہان فی علوم القرآن (بیروت: دار احیاء الکتب العربیہ عیسیٰ البابی الجلبی وشرکاء، 1957ء) ج 2 ص 54، 55۔ جب کہ علامہ راغب الاصفہانی (م 503ھ) نے المفردات میں تناقض ایک ہی سبب لکھا ہے اور وہ ہے: حکم و تنابہ فی القرآن۔ ملاحظہ ہو: حسین بن محمد الراغب الاصفہانی، المفردات فی غریب القرآن (بیروت: دار المعرفۃ، تحقیق: محمد سید گیلانی، س ن) 443، 444۔

⁴¹ ابن حزم، الرد علی ابن النخعی، ص 59۔

واقعی میں تو بہت زیادہ بد نظمی معلوم ہوتی ہے اور ایسا تعارض ہے کہ جس کی تاویل بھی نہیں کی جاسکتی، کیونکہ اس میں ”بداء“ پایا جا رہا ہے اور حق تعالیٰ کی ذات ”بداء“ سے پاک ہے، وہ اس طرح کہ پہلے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ میں ان سے ساتھ میں نہیں جاؤں گا بلکہ اپنا فرشتہ بھیجوں گا جو انہیں میرے (اللہ تعالیٰ) کے امر کے بارے میں آگاہی دے گا لیکن موسیٰ علیہ السلام اسی بات پر اصرار کرتے رہے کہ آپ ہمارے ساتھ جائیں حتیٰ کہ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ نے اپنی پہلی بات سے رجوع کر لیا اور خود ان کے ساتھ چل دیے۔ علامہ فرماتے ہیں کہ اس واقعے سے تو اللہ تعالیٰ کے لیے جسم ثابت ہو رہا ہے اور یہ تو مخلوق کی صفات میں سے ہے اسی طرح منہ کے ساتھ منہ لگا کر بات کرنا بھی تجسیم کو ثابت کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو تجسیم سے منزہ و مبرا ہیں نیز اس واقعے سے تو اللہ تعالیٰ کے فعل اور کلام میں بھی تناقض ثابت ہو رہا ہے اور ایسا تناقض کہ جس کی تاویل بھی ممکن نہیں۔

آخر میں نتیجتاً یہ بات لکھ کر جواب ختم کیا ہے: فلو فکر هذا الوقاح الزنديق في مثل هذا وشبهه لجره عن التعرض لما لا سبيل له اليه وحسبنا الله تعالى ونعم الوكيل⁴² ”اگر یہ زندیق گستاخ تورات میں مذکور اس طرح کے واقعات کو پڑھ لیتا تو شاید قرآن مجید کے بارے میں ایسے اعتراضات نہ کرتا جس میں کسی قسم کی کوئی کجی نہیں اور وہ ہر طرح کے نقض، شبہ اور تعارض سے پاک ہے، اور اللہ ہی ہمارے لیے کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔“

اعتراض

علامہ ابن حزم نے ابن نغریلہ کے ایک اور اشکال کا جواب بھی دیا ہے جو سورۃ یونس کی ایک آیت پر کیا ہے چنانچہ اس کے اشکال کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ثم ذكر هذا الزنديق الجاهل قول الله تعالى مخاطبا لنبية عليه فإن كُنْتَ فِي شَكٍّ مِمَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ فَسْئَلِ الَّذِينَ يُقْرَأُ وَنَ الْكِتَابِ مِنْ قَبْلِكَ⁴³، قال هذا المجنون: فهذا محمد كان في شك مما ادعاه⁴⁴ ”پھر اس زندیق جاہل نے اللہ تعالیٰ کے قول پر اعتراض کیا ہے جس میں انہوں نے اپنے نبی ﷺ سے خطاب فرمایا ہے: پس اگر آپ کو اس چیز پر شک ہے جو ہم نے آپ کی طرف نازل کی ہے تو پھر اہل کتاب سے پوچھ لیجئے تحقیق آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے حق آیا ہے، وہ مجنون کہتا ہے کہ معاذ اللہ نبی ﷺ کو اپنی نبوت اور کتاب میں شک تھا۔“

جواب

⁴² ابن حزم، الرد علی ابن النغریلہ، ص 59۔

⁴³ سورۃ یونس: 94۔

⁴⁴ ابن حزم، الرد علی ابن النغریلہ، ص 60۔

علامہ ابن حزم نے سب سے پہلے اس سوال کا عقلی جواب دیا ہے اور پھر بعد میں نحوی وجوہ سے استفادہ کرتے ہوئے جواب دینے کی کوشش کی ہے۔

عقلی جواب

اگر خدا نخواستہ نبی ﷺ کو اپنی نبوت میں شک ہوتا اور قرآن کے اترنے میں کوئی تردد ہوتا تو کیا آپ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے دین کی اس طرح سے دعوت دیتے؟۔ کہ اسی دعوت کی وجہ سے کفار تشدد کا نشانہ بناتے، جھگڑا کرتے، نام دھرتے اور لوگوں کو ملنے سے روکتے تھے اور اسی دعوت کی وجہ سے آپ ﷺ کو مجنون، ساحر اور کاہن کہا جاتا۔ لیکن ان سب کے باوجود آپ توحید کا پرچار کرتے رہے۔ جس شخص کو اپنے مدعی پر یقین نہ ہو وہ اس طرح یکسو ہو کر کیسے دعوت دے سکتا ہے۔ نبی ﷺ کا یکسو ہو کر دعوت دینا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ کو اپنی نبوت میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں تھا⁴⁵۔

آیت کی تفہیم میں نحوی وجوہ سے استفادہ

علامہ ابن حزم نے آیت کی تفہیم میں نحوی وجوہ سے بھی استفادہ کیا ہے، اور پھر اپنے موقف کی تائید میں دیگر قرآنی آیات سے بھی استدلال کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہیں: ولیعلم ان "ان" فی هذه الآیة لیست التی بمعنی الشرط۔۔۔ فہی هنا بمعنی "ما" وهذا المعنی هو احد موضوعاتها فی اللغة العربیة، كما قال تعالیٰ أمرا نبیة صلی اللہ علیہ وسلم ان یقول: ان انا إلا نذیرٌ و بشیرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُونَ⁴⁶ كما ذکر اللہ عزوجل عن الانبیاء انهم قالوا: ان نحن إلا بشیرٌ مِّنْکُمْ⁴⁷ وكما قال تعالیٰ مخبرا عن النسوة اذ راین یوسف علیہ السلام فقلن: ان هذا إلا ملکٌ کریمٌ⁴⁸ "جاننا چاہیے کہ مذکورہ آیت میں لفظ "ان" شرطیہ نہیں ہے بلکہ یہاں "ما" نافیہ کے معنی میں ہے۔ اور قرآن مجید میں بکثرت لفظ "ان" مانافیہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ ان نحن الا بشر مثلکم میں ان مانافیہ کے معنی میں ہے اسی طرح ان انا الانذیر و بشیر میں بھی لفظ "ان" مانافیہ کے معنی میں ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے دیکھنے والی عورتوں نے بھی یہی کہا تھا ان هذا الاملک کریم تو یہاں بھی "ان" مانافیہ کے معنی میں ہے۔ تو آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ آپ کو اپنی وحی میں

⁴⁵ ابن حزم، الرد علی ابن الثریلی، ص 60۔

⁴⁶ سورة الاعراف: 188

⁴⁷ سورة ابراهیم: 11

⁴⁸ سورة یوسف: 31

کسی قسم کا کوئی شک نہیں۔ اس کے باوجود اگر آپ اپنے اعداء اہل کتاب سے بھی پوچھیں گے تو انہیں بھی آپ کے سچے ہونے میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں۔

مقالہ نگار کی نظر میں علامہ ابن حزم اس اشکال کا اتنا جاندار اور جامع جواب نہیں دے پائے جس طرح وہ اپنی اس کتاب میں دیگر اشکالات کے جواب دیتے رہے ہیں۔ عقلی جواب کے بعد صرف نحوی وجوہ سے استفادہ کرتے ہوئے نظر آئے ہیں اگرچہ اپنے متدل کی تائید میں دیگر آیات کو بھی پیش کیا ہے لیکن ان کے جواب میں بہر حال تشکیکی برقرار ہے۔ لیکن امام رازی (م 606ھ) نے اس آیت کی تفسیر میں بہت جامع اور مدلل گفتگو کی ہے جس سے قاری کے دل میں پیدا ہونے والے ہر قسم کے شبہات رفع ہو جاتے ہیں⁴⁹۔

⁴⁹ علامہ رازی (م 606ھ) نے مذکورہ بالا آیت کی مختلف توجیہات ذکر کی ہیں جن کا خلاصہ حسب ذیل ہے: 1۔ اس آیت میں اگرچہ خطاب نبی ﷺ کو ہے لیکن اس سے مراد امت کے لوگ ہیں۔ اور قرآن مجید میں ایسا اکثر ہوا ہے کہ بظاہر خطاب آپ ﷺ کو کیا جاتا ہے مگر مراد دیگر لوگ ہوتے ہیں۔ جیسے یا أَهْلَ النَّبِيِّ اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تُطِيعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ سوره الاحزاب: 1 وَكَفٰوْلِهٖ: لِيَنْ اَشْرٰكْتَ لِيَحْبِطَنَّ عَمَلُكَ سوره الزمر: 65 وَكفٰوْلِهٖ: يَا عِيْسٰى ابْنَ مَرْيَمَ اَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ سوره المائدة: 116 اے نبی ﷺ اللہ سے ڈریے اور کافروں اور منافقین کی اتباع مت کیجئے، اسی طرح ارشاد بانی ہے: اگر آپ نے شرک کیا تو آپ کے اعمال ضائع ہو جائیں گے، اسی طرح فرمایا: اے عیسیٰ بن مریم کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اپنا معبود بناؤ؟ پھر اس توجیہ کی تائید اسی سورت کی آگے آنے والی ایک اور آیت سے ہو رہی ہے: يَا أَهْلَ النَّاسِ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِنْ دِيْنِيْ سوره يونس: 104 اے لوگو! اگر تمہیں میرے دین کے بارے میں کوئی شک ہے تو اس آیت میں پچھلی آیت کی مزید توضیح ہو گئی ہے کہ پہلی آیت میں شک کی نسبت کنایہ آپ ﷺ کی طرف کی تھی لیکن بعد میں آنے والی آیت شک کی توضیح کر دی کہ اصل میں شک لوگوں کو تھا نہ آپ ﷺ کو۔ اگر بالفرض نبی ﷺ کو اپنی نبوت میں کسی قسم کا شک ہوتا تو (معاذ اللہ) اس سے پوری شریعت ہی منہدم ہو جاتی۔ اسی طرح اگر نبی ﷺ کو شک ہے تو اہل کتاب سے پوچھنے سے وہ شک کیسے دور ہو گا جب کہ یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ ان کی تمام کتب محرف ہیں ان میں تبدیلی آچکی ہے اس لیے ثابت ہو کہ اگرچہ خطاب آپ ﷺ کی ذات کو ہے مگر مراد امت ہے۔ اور ایسا ہوتا رہتا ہے کوئی حال چیز نہیں ہے جیسے کوئی بادشاہ ایک لشکر تیار کرواتا ہے اور اس پر کسی کو امیر مقرر کرتا ہے اس امیر کے تحت بہت ساری فوج ہوتی ہے، اب اگر بادشاہ اس فوج کو کوئی حکم صادر کرنا چاہے تو عام طور پر ایسا ہی ہوتا ہے کہ وہ امیر لشکر کو حکم دے دیتا ہے جس سے ساری فوج کو پتہ چل جاتا ہے۔

2۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جانتے تھے کہ آپ ﷺ کو اپنی نبوت میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہے لیکن اس مضمون کو اتارنے کا مقصد یہ ہے کہ جب آپ ﷺ اس کو سنیں گے تو کہیں گے کہ اے اللہ! نہ تو مجھے اپنی نبوت میں شک ہے اور نہ ہی میں اہل کتاب کے پاس تصدیق کے لیے جاؤں گا بلکہ میرے لیے تو آپ کے نازل کردہ دلائل ظاہرہ اور برابین قاطعہ ہی کافی ہیں۔ اس توجیہ کی تائید بھی قرآن پاک کی دیگر آیات سے ہوتی ہے مثلاً فرشتوں سے فرمایا: اَهُؤْلٰٓءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ سبًا: 40 اس آیت کا مقصد یہ تھا کہ فرشتے اس کے جواب میں کوئی صراحت کریں گے اور وہی ہوا کہ فرشتوں نے جو ابا عرض کیا: سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيْنَا مِنْ دُوْنِهِمْ بَلٰ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْاٰجِنَّ سَبًا: 41۔

خلاصہ بحث:

کفار و مشرکین اور اعدائے اسلام کی روز اول سے ہی یہ کوشش رہی ہے کہ قرآن کریم کے بارے میں شبہات پیدا کیے جائیں، جس کی وجہ سے اس کلام پر مختلف قسم کے اعتراضات کیے گئے۔ جن میں سے ایک اعتراض یہ ہے کہ اس کی آیات میں باہم تعارض ہے۔ اس قسم کے شبہات زیادہ تر ان آیات پر کیے گئے ہیں جن کا تعلق تنابہات سے ہے۔ پانچویں صدی ہجری میں بھی ایک یہودی عالم نے قرآن مجید کی بعض آیات پر تعارض کا شبہ پیش کیا تھا جس کا جواب اس وقت کے ایک فقیہ، محدث اور تبحر عالم علامہ ابن حزم الاندلسی نے اپنے ایک رسالہ الرد علی ابن النغریلہ الیہودی میں دیا تھا۔ علامہ ابن حزم نے اپنے اس رسالے میں جو منہج اختیار کیا ہے موجودہ زمانے میں کفار و ملحدین اور مستشرقین کی طرف سے کیے جانے والے شبہات کے رد میں اس قسم کا طرز و منہاج ایک محقق کے لیے بہت زیادہ مدد و معاون ثابت ہو سکتا ہے۔ دلیل کی پختگی اور اپنے مدعی کو منوانے کے لیے یہ منہج تریاق کا کام دے سکتا ہے۔ رسالہ ہذا میں جابجا تورات کے حوالے علامہ ابن حزم کے قدیم مذاہب پر گہری نظر اور بالخصوص یہودی مصادر و ماخذ پر واقفیت اور دسترس کی بہترین مثال ہیں۔ معترض کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے دیگر قرآنی آیات سے استدلال کرتے ہیں، جس سے اس آیت میں پائے جانے والا ظاہری ابہام دور ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات اپنے موقف پر حدیث کو بھی بطور استشہاد کے پیش کر دیتے ہیں۔ مزید برآں معترض کے ہر سوال کے جواب میں تورات سے شواہد بھی پیش کرتے ہیں۔

3۔ بظاہر یہ جملہ شرطیہ ہے لیکن نہ تو اس میں شرط مقصود ہے اور نہ ہی جزاء، جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ اگر پانچ کا عدد جفت ہے تو یقیناً دو پر برابر تقسیم بھی ہوگا، یہ بات درست ہے کیونکہ اگر پانچ جفت ہے تو دو پر برابر تقسیم بھی ہوگا۔ لیکن نہ تو پانچ جفت ہے اور نہ ہی دو پر برابر تقسیم ہو سکتا ہے۔ آیت مذکورہ میں بھی یہی طرز اختیار کیا گیا ہے کہ نہ تو آپ ﷺ کو اپنی نبوت پر کوئی شک تھا اور نہ ہی آپ ﷺ نے اہل کتاب سے پوچھا۔ اس طرح کا مضمون نازل کرنے کا سب سے بڑا مقصد دلائل کی تقویت سے آپ ﷺ کے قلب کی تسکین ہے۔

4۔ مذکورہ آیت کا مفہوم ایسے ہی ہے جیسے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا - الْأَنْبِيَاءُ: 22 اگر زمین و آسمان میں دو الٰہ ہوتے تو پھر ان میں فساد ہوتا۔ جب کہ زمین و آسمان میں کسی قسم کا کوئی فساد نہیں، پتہ چلا کہ الٰہ بھی صرف اور صرف ایک ہی ہے، بالکل اسی طرح اگر نبی ﷺ سے فرمایا گیا اگر آپ ﷺ کو اپنی نبوت پر شک ہے تو اہل کتاب سے پوچھ لیں۔ جب کہ آپ ﷺ نے اہل کتاب سے کوئی تصدیق نہیں کروائی، آپ ﷺ کا اہل کتاب سے تصدیق نہ کروانا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ کو اپنی نبوت پر کسی قسم کا کوئی شک نہیں تھا۔ ملاحظہ ہو: ابو عبد اللہ محمد بن عمر الرازی، مفتاح الغیب (بیروت: دار احیاء التراث العربی، 1420ھ) ج 17 ص 301۔